© rasailojaraid.com

ششماہی علوم القرآن علی گڑھ ۶/۱ و ۲، جنوری۔دسمبر ۱۹۹۱ء

مولانا فراہی کی تفسیر نظام القرآن کا ایک مطالعہ

عبید اللہ فہد فلاحی

بیسویں صدی کے آغاز میں احیاءِ علوم اسلامیہ اور مسلمانوں کی علمی و فکری نشاۃ ثانیہ کے لیے جن علماء و مفکرین نے منصوبہ بندی کی اور اصلاحِ امت کا ایک لائحہ عمل تیار کر کے اپنی حیاتِ مستعار کو وقف کر دیا۔ ان میں علامہ حمید الدین فراہیؒ (۱۸۶۳ء۔۱۹۳۰ء) کا نام میرِ کارواں کی حیثیت سے تاریخ میں لکھا جانا چاہئے۔ علامہ نے نظم قرآن کے اصول و مناہج متعین کر کے فہم قرآن کی راہ ہموار کی اور انسان کو قرآنی اسرار و رموز سے آشنا کر کے انقلاب آفریں بنایا، علوم اسلامیہ کی تجدید و احیاء اور تدوینِ نو کی بنیاد رکھی اور علوم و فنون کی اسلام کاری کی جہت میں (جس کا آج عالم اسلام میں بڑا چرچا ہے اور اسلامائزیشن آف نالج کے نام سے اس مقصد کے حصول کے لیے تحریک چل رہی ہے) ابتدائی کام کیا۔ مولانا نے کوئی باقاعدہ منظم تحریک نہ برپا کی نہ احیائے شریعت کی کوئی مہم چلائی[لہ] لیکن علماء کو اسلام کی تنفیذ و اقامت کے لیے تیار کرنے کا فریضہ آپنے ضرور انجام دیا اور قرآنی تعلیمات کی اقدامی و انقلابی تشریح و تفسیر کر کے آنے والے دور کے لیے احیائے اسلام کے لیے مطلوبہ لوازمہ فراہم کر دیا۔

مولانا فراہی کی علمی تحقیقات کا اصل میدان قرآن پاک تھا۔ آپ نے بیالیس سال سے زیادہ مدت تدبر و تفکر میں گزاری۔ نظم قرآن کے حقائق اور اصول دریافت کیے اور انہیں آیات الٰہی کی تفہیم میں منطبق کیا۔ قرآن پاک کی متعدد سورتوں (فاتحہ، ذاریات، تحریم، قیامہ، مرسلات، عبس، شمس، والتین، والعصر، فیل، کوثر، کافرون، لہب اور اخلاص) کی عربی تفسیر میں اس کا نمونہ بھی پیش کیا جس کا اردو ترجمہ تفسیر نظام القرآن کے نام سے دائرہ حمیدیہ سرائے میر اعظم گڑھ سے ۱۹۹۰ء میں پروفیسر عبید اللہ فراہی کے حسنِ اہتمام سے دوبارہ شائع ہوا۔ اس تفسیری مجموعہ میں مقدمہ نظام القرآن اور تفسیر آیۃ بسم اللہ بھی شامل ہیں۔ اس مجموعہ کا مطالعہ کرتے وقت درج ذیل باتوں کو مدنظر رکھنا چاہئیے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱) مولانا نے سورۂ اخلاص کے سوا بقیہ تمام سورتوں کی تفسیر عربی زبان میں لکھی تھی جس کا اردو ترجمہ ان کے شاگرد رشید مولانا امین احسن اصلاحی نے کیا اور اس پر نظر ثانی مولانا اختر احسن اصلاحی[۲] نے فرمائی اور یہ ایک حقیقت ہے کہ عربی اپنے ایجاز بیان کی وجہ سے اردو سے اس قدر مختلف ہے کہ کوئی قادر الکلام اور ماہر سے ماہر مترجم بھی اصل زبان کی خصوصیات اور اس کی چاشنی کو منتقل نہیں کرسکتا۔

(۲) مولانا ایجاز و اختصار کو بہت پسند کرتے ہیں اس لیے سرسری طور سے گزرنے کے بجائے ان کی ہر تحریر کو ٹھہر کر پڑھنے اور اسے ہضم کرنے کی ضرورت ہے۔

(۳) اس تفسیر میں مولانا کی بعض نا تمام تصنیفات کے حوالے بھی ہیں۔ بعض تحریریں مسودات کی صورت میں محفوظ ہیں اور بعض کتابیں مولانا کے ذہن سے نکل کر صفحۂ قرطاس پر منتقل نہ ہوسکیں۔

اس اختصار پسندی کے باوجود مولانا کا نقطۂ نظر اس مجموعہ میں واضح طور پر ابھر کر سامنے آتا ہے اور وہ نظام القرآن کے مقرر کردہ اصول وضوابط منطبق کرنے میں وہ پوری طرح کامیاب نظر آتے ہیں۔ مولانا کی اختصار پسندی کہیں ادائے مطلب میں خلل انداز نہیں ہوسکی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ مجموعہ قرآن کے فہم کے لیے مشعل راہ بن سکتا ہے۔

مولانا فراہی کی اِن محققانہ خدمات کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے اس حقیقت کا اعتراف بھی ضروری ہے کہ مولانا نے بعض آیات قرآنی کی تاویل و تفسیر میں جمہور مفسرین سے علمی اختلاف بھی کیا ہے۔ مثال کے طور پر سورہ کوثر میں کوثر سے خانۂ کعبہ کا مراد لینا، سورہ فیل کی تشریح میں عربوں کی مبارزت اور ابرہہ سے رزم آرائی کی تحقیق اور معجزات کی عقلی تعبیر و تشریح وغیرہ۔ لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ ان اختلافات کے پیچھے مولانا نے جو دلائل نقل کیے ہیں اور قرآن وسنت اور تاریخ و کلام عرب اور عربی بلاغت سے جو استشہاد کیا ہے وہ بڑے معرکہ کا ہے اور انھیں آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

مولانا فراہی کے اس تفسیری مجموعہ کا مطالعہ ایک اور پہلو سے بھی دلچسپ ہے اور وہ میرے نزدیک بہت اہم ہے۔ انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں علماء و مفسرین نے جو لٹریچر تیار کیا ہے وہ زیادہ تر دفاعی، معذرت خواہانہ اور مصالحانہ ہے۔ یورپ کی فکری، علمی اور سیاسی یلغار نے منکرین و مصلحین کو پیچھے ہٹنے، دفاع پر قناعت کرنے اور صرف تحفظ و بقا ہی کے لیے جد وجہد کرنے پر مجبور کردیا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اُس دور میں بیشتر تحریکات، علمی مہمیں اور فکری رجحانات خاصا متاثر اور منفعل دکھائی دیتے ہیں لیکن ایسے داعیانِ دین، محققین اور مفکرین ـــ خال خال ہی سہی ـــ بھی تھے جو حالات کے آگے سپر ڈالنے یا تحفظ و دفاع کے اندر محدود رہنے کے بجائے اقدام پر کمر بستہ ہوئے۔ انھوں نے قرآن وسنت کی بے آمیز تعلیمات بے کم وکاست عوام کے سامنے پیش کیں اور دین کی انقلابیت، فعالیت اور حاکمیت کو کسی طرح مجروح نہ ہونے دیا۔ ان علماء میں علامہ حمید الدین فراہی کا نام بہت نمایاں ہے۔ مولانا کی تفاسیر کا اس پہلو سے مطالعہ موجودہ حالات میں زیادہ مطابق واقعہ اور ناگزیر لگتا ہے۔

مسئلہ جہاد کی صحیح اور جرأت مندانہ تشریح :

جہاد کے مسئلہ پر بہت سے علماء نے لکھا ہے لیکن اکثر کا انداز مصالحانہ ہے۔ سر سید مرحوم نے گو اخلاص کے ساتھ اور مسلم قوم کے مفادات کے پیشِ نظر، جہاد کی تعبیر ایسی کی کہ وہ دفاع میں محدود ہو کر رہ گیا اور غیر اسلامی حکومت کی مسلمان رعایا کے لیے دو ہی صورتیں رہ گئیں یا تو وہ "ظلم کو سہیں یا ہجرت کریں یعنی اس ملک کو چھوڑ کر چلے جاویں"[۱۲] مولانا محمد حسین بٹالوی (۱۲۵۶ھ - ۱۳۳۸ھ) نے جہاد کی منسوخی پر ایک رسالہ الاقتصاد فی مسائل الجہاد لکھا، مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے کرائے۔ انھوں نے انگریز سرکار کی اطاعت کو واجب قرار دیا اور وقت کے بعض مشہور حنفی علماء کو سرکار سے بغاوت کے طعنے دیئے۔ اس رسالہ کی ایک عبارت بطور نمونہ ملاحظہ ہو:

> "نتیجۂ مسئلہ اولیٰ: ازیں مسئلہ ثابت و متحقق شد کہ کمال اسلام و ایمان و نجات اہل اسلام برجہاد موقوف و منحصر نیست۔ اگر مسلمانان را از فرائض دینی باز ندارند مجرد عبادت برائے نجات و کمال ایمان کافی است"[۱۳]

اس موضوع پر علامہ فراہی نے جو کچھ لکھا ہے اس میں شریعت کی صحیح اور سچی ترجمانی کے علاوہ جرأت رندانہ اور ہمت مردانہ کی بھرپور جھلک بھی نظر آتی ہے۔ علامہ جہاد اسلامی کے غلط تصورات پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "ہمارے قدیم مفسرین کا خیال تھا کہ آیت سیف[۱۴] نے موعظت و نصیحت اور کفار و مشرکین کے لیے رخصت و رعایت کی بہت سی آیتوں کو منسوخ کر دیا۔ ہمارے زمانہ کے متکلمین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی ایک جماعت کا خیال یہ ہے کہ آیت سیف نے منسوخ تو نہیں کیا ہے لیکن اسلام میں جہاد صرف دفاع کے لیے ہے۔ ان کے خیال میں عہد نبوت میں جو غزوات ہوئے ان سب کی نوعیت دفاعی ہے اور بعد میں خلفاء اور صحابہ نے جو لڑائیاں لڑیں وہ تمام ملوکانہ جنگیں تھیں۔ ان کو جہاد فی سبیل اللہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میرے نزدیک یہ خیال صحیح نہیں ہے بلکہ اصل حقیقت اس سے بالکل مختلف ہے۔" (ص ۵۷)

اس کے بعد فاضل مفسر اس امر کی وضاحت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد حضرت ابراہیمؑ سے کئے ہوئے وعدۂ خداوندی اور ان پر ڈالی گئی ذمہ داری کی تکمیل تھا۔ قرآن (البقرہ: ۱۲۵) نے صراحت کر دی ہے کہ سیدنا ابراہیمؑ کو اللہ نے حکم دیا تھا کہ خانہ کعبہ کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھنا۔ پھر خاتم النبینؐ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کو تمام ادیان پر غالب کرنے والا تھا۔ اس مقصد کے لیے آپؐ کو حکم ہوا کہ لوگوں کو وعظ و تلقین فرمائیں تاکہ مشرکین اپنی اصلاح کر سکیں۔ جب فرض تبلیغ اچھی طرح ادا ہو چکا تو حکم ہوا کہ خانہ کعبہ کو مشرکین کے قبضہ سے آزاد کرائیں اور بوقت ضرورت قوت کو بھی استعمال کریں۔ مولانا نے پوری بحث کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے لکھا کہ:

"اس سے معلوم ہوا کہ قتال محض دفاع کے لیے نہیں واجب ہوا بلکہ کعبہ کو فتح کرنے اور بنی اسماعیل کے اندر دین حنیفی کو از سرِ نو قائم کرنے کے لیے ہوا۔" (ص ۵۷)

دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور خانہ کعبہ کی آزادی کیلئے جہاد و قتال کے جواز کے لیے مولانا نے مندرجہ ذیل دلائل دیئے:

(۱) غیر بنی اسماعیل اور اہل کتاب کے ساتھ جہاد کا حکم اس لیے دیا گیا تاکہ ان کو عدل و قسط پر قائم کیا جائے اور زمین کو فساد سے پاک کیا جائے۔

(۲) جب بنی اسماعیل نے اطاعت کر لی اور سرداران قریش سرنگندہ ہو گئے تو قلب کے علاوہ بقیہ اعضاء کے لیے بھی یہی زیبا تھا کہ وہ بھی اطاعت کر لیتے اور رسالت محمدی پر ایمان لا کر اہل عرب کا ساتھ دیتے۔

(۳) آپ کی دعوت ملت ابراہیمی کی طرف پلٹنے کی دعوت تھی اس لیے آپؐ کے موقف پر اعتراض کی

© rasailojaraid.com

گنجائش نہ تھی۔ بغاوت اور فساد کے مرتکب دراصل وہ لوگ تھے جو اس دعوت کے مخالف تھے۔

مزید براں علامہ فراہی نے قتال وجہاد کے لیے تین شرطیں ناگزیر قرار دیں:

(الف) مجاہدین کو سب سے پہلے اپنے نفس کو شائبۂ فساد سے پاک کرنا ہوگا اور عدل و انصاف کی میزان پر انھیں خود کھرا اترنا پڑے گا۔

(ب) اپنے ملک کے اندر بغیر ہجرت کے جہاد جائز نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاد اگر صاحبِ جمعیت اور صاحبِ اقتدار امیر کی طرف سے نہ ہو تو محض شورش و بدامنی اور فتنہ و فساد ہے۔

(ج) قتال حصول قوت کے بعد ہی جائز ہے۔

ان شرائط کے ساتھ جہاد، مولانا کے نزدیک، قیامت تک کے لیے واجب۔ (ص ۵۸)

مولانا نے سورۂ تحریم آیت ۹ کی وضاحت میں یہ صراحت بھی فرمائی ہے کہ جہاد و قتال اور سختی و درشتی کے پیچھے اصلاح احوال اور توبہ و انابت کا محرک کارفرما تھا تاکہ جن کے اندر قبولیتِ حق کی کچھ بھی صلاحیت ہے وہ بیدار ہوجائیں اور صرف وہی لوگ باقی رہ جائیں جن کے لیے عذاب کا تازیانہ مقدر ہوچکا ہے۔ مولانا کے اس موقف میں ان دشمنانِ اسلام کا بھرپور جواب ہے جو غزوات و سرایا کو محض "رزایا" تصور کرتے ہیں[۵۵] اور عہد نبوی کی خوش حالی و معاشی آسودگی کو فتوحات کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے ان کے اصل محرکات و مقاصد پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں[۵۶]۔

مولانا کے نزدیک اس جانچ پرکھ اور جہاد و قتال کی سخت گیری کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تعلقات اور قرابت کی وہ تمام زنجیریں ٹوٹ کر گر جاتی ہیں جو آدمی کو حق کے راستہ سے روکنے والی ہوتی ہیں یہاں تک کہ آدمی اپنے ماں باپ اور اہل وعیال کے تمام ناتوں کو کاٹ کر صرف اللہ کے ایک ہی رشتہ سے جڑ جاتا ہے۔ قدرت کا یہ منشا نرمی اور سختی دونوں سے پورا ہوتا ہے (ص ۱۸۰-۱۸۱)

مولانا نے قرآنی تعلیم کے جو اصولی مسائل بیان کیے ہیں ان میں بھی مولانا کا یہ انقلابی فکر کارفرما ہے۔ جہاد کو کس طرح دین کی بنیادوں سے اپنے جوڑ دیا ہے، لائقِ مطالعہ ہے۔ مولانا کے نزدیک تعلیم قرآن کے بنیادی مسائل دو ہیں: عقائد اور اعمال۔ اعمال تین قسم کے ہیں: شخصی، منزلی اور مدنی۔ عقائد کے بنیادی مسائل توحید، نبوت اور معاد ہیں۔ اعمال میں نماز ہے اور اسی کے ساتھ حج بھی شامل ہے۔ زکوٰۃ ہے اور اسی کا جزو روزہ ہے۔ مکارم اخلاق [illegible] اگرچہ شخصی اعمال ہیں لیکن ان کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعلق جماعت سے بھی ہے۔ اس کے بعد عدل وقسط اور اس کے بعد تعاون کا درجہ ہے۔ توحید کے ساتھ جبر وقدر اور وحدت الوجود کا تعلق ہے۔ پھر توحید اور نبوت کے ساتھ شفاعت کا تعلق ہے۔ معاد کے ساتھ جنت و دوزخ کی حقیقت کے مسائل ہیں۔ قسط میں نکاح، میراث اور معاملات داخل ہیں۔ تعاون میں خلافت، سیاست اور جہاد شامل ہیں۔ پھر اعمال کے سرچشمے اخلاق میں بھی ہیں مثلاً محبت، صبر، عزم، تقویٰ اور عدل ہیں۔ (ص ۵۶)

سورۂ الکوثر کی تفسیر میں علامہ فراہی نے کوثر سے خانہ کعبہ اور اس کے ماحول کو مراد لیا ہے اور اس کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ پیغمبر عالم ؐ کے لیے برکت اور کثرتِ امت کی جو گرانمایہ دولت مقدر تھی اسی کی بشارت سنائی گئی کہ ہم نے تم کو نماز پڑھنے والی اور راہِ خدا میں خرچ کرنے والی ایک عظیم الشان امت دی ہے جو بیت اللہ الحرام حج کرے گی گویا یہ خوش خبری سنائی گئی کہ مکہ عنقریب فتح ہوگا، لوگوں کی کثیر تعداد آپ کی امت میں داخل ہوگی۔ ان لوگوں کے گمان کے خلاف جو کہتے ہیں کہ اس امت کا بڑا حصہ مرتد ہوجائے گا، اس کا ایک بڑا طبقہ دینِ حق پر قائم رہے گا (ص ۴۲۴۔ ۴۲۵) اس تفسیر پر علمائے تفسیر نے متعدد اشکالات قائم کیے ہیں جو اپنی جگہ درست بھی ہو سکتے ہیں لیکن مفسر کا انقلابی رویہ اور اس کی اقدامی فکر صاف محسوس کی جاسکتی ہے۔ وہ پژمردہ، ژولیدہ، مبہم اور محض تحقیقی فکر دینے کے بجائے متحرک، توانا، حیات بخش اور انقلاب آفریں سوچ قارئین تک منتقل کرنے میں پوری طرح کامیاب ہیں۔

مولانا کے نزدیک نہی عن المنکر اور امر بالمعروف سے اجتماعی اعراض و بے نیازی پوری قوم کو عذابِ الٰہی کی زد میں لے آتی ہے۔ اللہ کا قانون ہے کہ چند افراد و اشخاص کے کسی جرم کی پاداش میں اللہ تعالیٰ پوری قوم پر اپنا غضب نازل نہیں کرتا مگر جب ان کے ہاتھوں سے عدل وقسط کا کوئی قانون منہدم ہو رہا ہو اور دوسرے خاموشی سے ان کے مجرمانہ اعمال کا تماشا دیکھتے رہیں اور مجرموں کے ہاتھ نہ پکڑیں تو اس وقت پوری قوم خدا کے غضب میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ اس کی عقلی توجیہ مولانا نے یہ پیش کی ہے کہ گناہ درحقیقت قلب کی ایک صفت ہے۔ ظاہری اعمال و افعال تو محض اس کے آثار ہیں۔ اگر کوئی شخص گناہ پر خوش ہے اور اس کو اچھا سمجھ رہا ہے تو یقیناً وہ اس شخص کے برابر ہے جس نے اس گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ مولانا نے اپنے موقف کی تائید میں مندرجہ ذیل قرآنی آیت نقل کی ہے:

وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شَدِیدُ العِقَابِ (انفال: ۲۵)

(اور اس فتنہ سے بچو جو خاص کر انہیں لوگوں کو نہیں پہونچے گا جنہوں نے تم میں سے ظلم کیا ہے اور یاد رکھو کہ اللہ سخت پاداش والا ہے)۔

مولانا کا استدلال یہ ہے کہ عدل وقسط کا قیام پورے نظام کائنات کے قیام وبقا کے لیے ناگزیر ہے اس وجہ سے ضروری ہے کہ جب اس پورے نظام کو کوئی صدمہ پہونچے تو سب اس کے لیے مضطرب اور دردمند ہوں اور قانون الٰہی کی حفاظت کے لیے ان کے اندر غیرت وحمیت پیدا ہو۔ جو ایسا نہ کریں وہ درحقیقت مجرموں کے شریک حال اور معاون ہیں۔ (ص ۲۹۶-۲۹۷)۔

خلافت وملوکیت کی نادر تعبیر:

خلافت راشدہ ملوکیت میں کیسے تبدیل ہوگئی، اس کے اسباب وعوامل کیا تھے اور اس کے پس پشت کون سا فلسفہ کارفرما تھا، ان موضوعات پر علمائے اسلام نے بہت کچھ لکھا ہے لیکن مولانا فراہی کی تحقیق بڑی دلچسپ اور اُن کا طرز تعبیر کافی ندرت اور تخلیقی عنصر کا حامل ہے۔

مولانا کے نزدیک قوم ثمود نے اونٹنی کو قتل کرکے سرکشی کی جو منحوس مثال قائم کی تھی یہود نے حضرت عیسیٰؑ کے قتل کا ارادہ کرکے بعینہٖ اسی مثال کی تقلید کی۔ گویا یہود کے اندر حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا وجود ناقۃ اللہ کی مثال تھا۔ اسی کے مشابہ واقعہ امت مرحومہ میں پیش آیا بقول مولانا فراہیؒ "اس امت کے اندر ناقہ کی مثال حضرت علیؓ تھے۔ چنانچہ ان کے قتل کے بعد اس امت سے خلافت چھین لی گئی اور خلفاء کا سلسلہ منقطع ہوگیا ان کے بعد جو لوگ مسند خلافت پر قابض ہوئے وہ خلفاء نہ تھے بلکہ ملوک وسلاطین تھے (اِلّا ماشاء اللہ) جو مال وجائیداد کی طرح بادشاہت کو وراثت میں پاتے تھے اور بادشاہوں ہی کی طرح فرمانروائی کرتے تھے۔ محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس انقلاب کی پیشین گوئی پہلے سے فرمادی تھی اور اس دَور کو "ملک عضوض" سے تعبیر فرمایا تھا"۔ (ص ۲۹۸)

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ حضرت علیؓ سے پہلے حضرت عثمان غنیؓ نہایت مظلومیت کی حالت میں شہید ہوئے جن کے بعد فتنوں کا دروازہ کھل گیا۔ حضرت فاروق اعظمؓ شہید ہوئے جن کی شہادت تاریخ اسلام کا سب سے بڑا حادثہ ہے سب سے آخر میں امام حسینؓ قتل ہوئے جن کی بے کسی تاریخ میں یادگار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہے گی پھر مولانا نے ان میں سے کسی کے قتل کو حضرت عیسیٰ کے واقعہ سے کیوں نہیں تشبیہ دی ؟ تو مولانا نے اس اشکال کا جواب دے دیا ہے ۔

مولانا کے نزدیک حضرت عمرؓ کی شہادت کا واقعہ ایک مخصوص نوعیت کا حامل ہے۔ آپ کے قتل کی ذمہ داری اس امت پر نہیں ہے ۔ آپ کو ایک عیسائی نے شہید کیا ۔ پھر چونکہ یہ پہلا خون تھا اس وجہ سے پوری امت قانون الٰہی کی زد میں آنے سے بچ گئی ۔ حضرت عثمانؓ کی حالت حضرت یحییٰؑ سے زیادہ مشابہت رکھتی ہے ۔ جس طرح یحییٰؑ قید کی حالت میں قتل کیے گئے اسی طرح حضرت عثمانؓ مکان کے اندر محبوس کر کے شہید کیے گئے ۔

مولانا کے نزدیک واقعہ کی نوعیت کے علاوہ نتائج کے اعتبار سے بھی حضرت عیسیٰؑ اور حضرت علیؓ کے واقعات بالکل یکساں درجہ کی اہمیت رکھتے ہیں ۔ یہود عیسیٰؑ کے قتل کا ارادہ کر کے خدا کی امانت سے محروم ہو گئے اور مسلمان حضرت علیؓ کے قتل کی ذمہ داری لے کر خلافت مقدسہ سے محروم ہو گئے ۔ باقی رہا شہادت حسینؓ کا معاملہ تو یہ درحقیقت اسی بدبختی کا ایک مظہر ہے جو حضرت علیؓ کے قتل کی صورت میں نمودار ہوئی اور پھر اسی واقعہ کی جڑ سے ہزار ہا فتنوں کی شاخیں پھوٹیں اور پھیلیں اور ان کے مسموم اور مہلک اثرات نہ جانے کن کن صورتوں میں نمودار ہوئے ۔ امت مختلف گروہوں میں بٹ گئی اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی جماعتوں میں ایسی خونریز جنگیں ہوئیں کہ مسلمان بالکل بے دم ہو کر رہ گئے (ص ۲۹۸ ۔ ۳۰۰)

خلافت کی ملوکیت میں منتقلی کا یہ تجزیہ تاریخ اسلام پر مولانا کی گرفت بھی ظاہر کرتا ہے اور تعبیر اسلام میں مولانا کی جرأت مندی اور غیرت ملی کا آئینہ دار بھی ہے ۔ بعد میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے انہی خطوط کی بنیاد پر خلافت و ملوکیت جیسی عالمی شہرت کی مالک کتاب تصنیف فرمائی اور بہت سے شکوک و شبہات اور الجھنوں کے کانٹے نکال کر حدیث رسول (ملک عضوض) کی فاضلانہ تشریح کی ۔ علماء و مفکرین کی ایک جماعت اسی نقطہ نظر سے اختلاف کرتے ہوئے خلافت کو حضرت علیؓ کے دور تک محدود نہیں مانتی اور اپنا یہ اشکال بھی سامنے رکھتی ہے کہ اگر خلافت کو خلفاء اربعہ کے ادوار مبارکہ تک محدود کر دیا گیا تو تاریخ اسلامی کا تسلسل ، تعلیمات اسلامی کی دائمی عالمگیریت اور عقائد اسلامی کی ابدی تنفیذیت کا تصور دھندلا ہو جائے گا تاہم مولانا فراہی ان تمام اعتراضات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے باوصف خلافت راشدہ کو حضرت علیؓ کے دور تک محدود مانتے ہیں اور بعد کی حکومتوں کو ملوکیت (الا ماشاء اللہ) سے تعبیر کرتے ہیں۔

مولانا نے خلافت کا تاریخی مطالعہ کرنے کے ساتھ اس کا فلسفیانہ تجزیہ بھی کیا ہے۔ اس موضوع پر مفصل تحریریں آپ کی دوسری کتاب فی ملکوت اللہ میں ملتی ہیں، لیکن اپنی تفاسیر میں بھی جہاں ضرورت محسوس ہوئی ہے، اس موضوع پر اجمالی گفتگو فرمائی ہے۔ سورہ والعصر میں کامیاب انسانوں کی تین بنیادی خصوصیات بیان فرمائی گئی ہیں ایمان، عمل صالح اور تواصی بالحق۔ مولانا کے نزدیک نیکی اور بھلائی کی قسم کی کوئی بات ان کے دائرہ سے باہر نہیں رہ گئی ہے۔ ایمان تمام عقائد کا شیرازہ، عمل صالح تمام شریعت کا مجموعہ اور تواصی ایک رتبۂ کمال و فضیلت ہے جو اللہ نے اس امت کے لیے مخصوص فرمادی اور اس امت میں سے بھی خاص طور پر ان لوگوں کے لیے جو اس کے رہنما ہیں کیونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اصل ذمہ داری انہی پر ہے۔ اس تواصی کے ذریعہ اللہ نے اس امت کی شیرازہ بندی فرمائی اور ان کو اختلاف و نزاع کے تمام خطروں سے محفوظ کرکے بھائی بھائی بنا دیا ہے۔ مولانا کے نزدیک امت کے اندر جب تک یہ نظام باقی رہا اس کے قدم برابر ترقی کی راہوں پر بڑھتے رہے جیسا کہ اوائل خلافت میں ہوا لیکن جب یہ نظام درہم برہم ہوگیا تو دفعۃً بڑھتے ہوئے قدم رک گئے (ص ۴۳۴)۔

مولانا نے اس سیاق میں آل عمران ۱۰۲-۱۱۰ کی آیات کا حوالہ بھی دیا ہے اور اس سے خلافت کا وجوب ثابت کرتے ہوئے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر امت کے اہم فرائض میں سے ہے لیکن اس کی اصل ذمہ داری امت کے لیڈروں پر ہے۔ البتہ تواصی ایک فرض عام ہے جس میں تمام مسلمان برابر کے شریک ہیں۔

تواصی کی بحثوں کو سمیٹتے ہوئے مولانا نے آخر میں وجوب خلافت کی توجیہ یہ بیان فرمائی ہے:

> "مسلمانوں کو اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ عمل صالح کریں، پھر ادائے حقوق کے معاملہ میں ایک دوسرے کی مدد کریں اور چونکہ ادائے حقوق بغیر خلافت و ریاست کے ناممکن ہے اس لیے ضروری ہے کہ خلافت قائم کریں اور خلافت کا قیام چونکہ اطاعت امیر پر منحصر ہے اس لیے ضروری ہے کہ ان کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اندر اطاعتِ امیر بھی موجود ہو"۔ (ص ۴۴۳)

گویا مولانا فراہی کے نزدیک خلافت کی ناگزیریت محض سیاسی و حکومتی اغراض کے لیے ہی نہیں بلکہ دین کے اہم ترین حصّوں پر عمل درآمد کے لیے بھی ہے کیونکہ حقوق العباد پورے دین کا نصف ہے اور یہ نصف حصہ روبہ عمل نہیں آسکتا اگر خلافت کا نظام موجود نہ ہو۔

اگر تفسیر نظام القرآن کا مطالعہ اس نقطہ نظر سے کیا جائے تو دورِ جدید میں ان تحریروں کی معنویت وافادیت مزید بڑھ سکتی ہے۔ آج جبکہ پورا عالم اسلام اسلامی احیاء اور رجوعِ ماضی سے ہمکنار ہونے کے لیے بے تاب ہے اسے قرآن کی طرف پلٹنا ہوگا اور نظام القرآن کی روشنی میں اسی اقدامی، انقلابی اور حرکی سوچ کی روشنی میں اپنا لائحہ عمل مرتب کرنا ہوگا۔ اس پس منظر میں علامہ فراہی محض ایک محققِ قرآن نہیں رہ جاتے بلکہ تحریکِ اسلام کاری کے سرخیل بھی نظر آتے ہیں۔

حواشی و حوالہ جات

لہ فراہی، حمید الدین، تفسیر نظام القرآن، دائرہ حمیدیہ، اعظم گڑھ، سنہ ۱۹۹۰ء ص ۱۹

کہ احمد، سرسید، تفسیر القرآن، رفاہِ عام پریس، لاہور، ۱/ص ۲۵۳، ۲۵۴

سہ مولانا مسعود عالم ندویؒ نے معتبر اور ثقہ راویوں کا یہ بیان بھی نقل کیا ہے کہ اس رسالہ کی تالیف کے معاوضہ میں سرکار انگریزی سے مولانا بٹالوی کو جاگیر بھی ملی تھی۔ دیکھئے، ندوی، مسعود عالم، ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، سنہ ۱۹۸۱ء، ص ۲۰-۲۱

کہ یہاں آیت سیف سے مراد سورہ توبہ کی آیت فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ الآية (جب احترام کے مہینے گزر جائیں تو مشرکین کو قتل کرو جہاں کہیں تم ان کو پاؤ اور ان کو پکڑو اور اُن کو گھیرو اور ان کے لیے ہر جگہ گھات میں بیٹھو الخ) ہے۔

شہ واٹ، منٹگمری، محمد ایٹ مدینہ، لندن سنہ ۱۹۶۸ء، ص ۲-۹، فلپ کے ہٹی، اسلام - آ وے آف لائف، لندن، سنہ ۱۹۷۰ء ص ۱۵، ہسٹری آف دی عربس، لندن، سنہ ۱۹۴۹ء ص ۱۱۶-۱۱۰، ڈبلوسی ٹیلر، دی ہسٹری آف محمدزم لندن، سنہ ۱۸۴۲ء ص ۱۰۸-۱۹۱

© rasailojaraid.com